1

شیعوں کے اعتراض

حدیثِ قرطاس

کے

جوابات

از قلم

حضرت علامہ

مولانا حافظ محمد فیض احمد اویسی

ناشر

مکتبہ اویسیہ رضویہ

سیرانی روڈ بہاولپور

بسم اللہ الحمد للہ والصلوٰۃ والسلام علیٰ رسول اللہ

پیش لفظ

حضرت علامہ اویسی صاحب مسجد میں تشریف فرما تھے۔ چند اشخاص حاضر ہوئے اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ پر اعتراضات کرنے لگے علامہ اویسی صاحب نے فرمایا کہ اس مجلس میں صرف ایک مسئلہ کے اعتراضات بیان کیجیے اور اپنے میں کسی صاحب کو سوالات کے لئے منتخب فرما لیں۔ ان میں ایک صاحب نے سوالات ذیل کئے اس کے جوابات علامہ اویسی صاحب بیان فرمائیے۔ جنہیں ہم نے کتابچہ کی صورت میں جمع کر کے ناظرین کے پیش کر رہے ہیں

سوال: پیغمبر علیہ السلام جناب علی (رضی اللہ عنہ) کی خلافت تحریر فرمانا چاہتے تھے حضرت عمر (رضی اللہ عنہ) سے کاغذ قلم و دوات طلب فرمائی تو انہوں نے نہ دی بلکہ یہ کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہذیان کہتا ہے۔ اور ہمیں اللہ کی کتاب کافی ہے یہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بڑی غلطی کی۔

(جواب ۱) جھوٹوں پر خدا کی لعنت آپ کی پہلی بسم اللہ ہی غلط بلکہ کتب اہل اسلام میں الٹا یہ موجود ہے کہ پیغمبر علیہ السلام اپنی مرض الموت میں جناب ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خلافت تحریر فرما گئے تھے جیسا کہ مشکوٰۃ شریف ص ۵۵۵ پر واضح الفاظ میں موجود ہے۔

یز اس لعن کرنے سے اتنا پتہ چل گیا کہ خم غدیر کے موقع پر حضرت علی رضی اللہ عنہٗ خلیفہ مقرر نہیں ہوئے تھے۔ اور عید غدیر منا کر شیعہ لوگ خواہ مخواہ بدنام ہو رہے ہیں آپ کا یہ دعویٰ[1] کہ پیغمبر علیہ السلام نے کاغذ قلم دوات حضرت عمر سے طلب فرمائی تو یہ بھی جھوٹ ہے بلکہ آپ نے جمیع حاضرین سے کہ جن میں علیؓ عباسؓ اور گھر کی عورتیں وغیرہ بھی شامل ہیں کاغذ قلم دوات طلب فرمایا۔ جیسا کہ بخاری شریف صفحہ ۴۴۹ جلد ا پر موجود ہے۔ فقال ایتونی بکتف اکتب لکم کتابا یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کتف لاؤ تاکہ میں تمہیں ایک ایسی تحریر لکھ دوں کہ جس کے بعد تم راہ حق کو نہ گم کرو۔ غور فرمائیے حدیث میں ایتونی صیغہ جمع مذکر مخاطب بول کر پیغمبر علیہ السلام جمیع حاضرین سے کتف طلب فرما رہے ہیں۔ فقط حضرت عمر سے اور ان سے طلب ہی کیوں فرماتے جب کہ وہ ان کا گھر ہی نہ تھا کہ جس میں قلم دوات طلب کی گئی۔ بلکہ حضرت عائشہ کا حجرہ تھا جیسا کہ بخاری شریف صفحہ ۳۸۲ ج ا پر ہے اور پھر اگر قریب تھا تو حضرت علی کا گھر لہٰذا اگر خاص طور پر طلب فرماتے تو ان سے کہ جن کا گھر بعید[1] تھا بہر حال نقل وعقل سے یہ بات واضح ہو گئی کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے پیغمبر علیہ السلام نے قلم دوات۔ طلب نہیں فرمائی۔

۴۔ آپ اس کا کیا جواب دیں گے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم تین دن زندہ

---

[1] تمام شیعہ متفق ہیں کہ حضرت عمر کا گھر مدینہ شریف کے شہر کے آخری کونہ پر تھا۔ (اویسی غفرلہ)

(دنیوی زندگی) رہے اور حضرت علی باوجود قرب البیت ہونے کے بھی ان کی تعمیل حکم نہ کر سکے اور بقول شیعہ خلافت بھی انہیں کی تحریر ہوتی تھی اور ادھر حکم رسول بھی تھا۔ لہذا اگر باقی سب صحابہ مخالف تھے تو ان پر لازم تھا کہ چھپے یا ظاہر ضرور لکھوا لیتے تاکہ یوم السقیفہ یہی تحریر پیش کر کے خلیفہ بلا فصل بن جاتے مگر یہ سب کچھ نہیں ہوا تو معلوم ہوا کہ یا تو تحریر ہی سرے سے ضروری نہ تھی بلکہ ایک امتحانی پرچہ تھا کہ جس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمر کی رائے سے اتفاق فرمایا۔ ورنہ آپ پر کتمان حق اور وحی کا الزام عائد ہوگا۔ حالانکہ جماعت انبیاء اس سے بالاتر ہے۔

(۳) اگر یہ ضروری تحریر تھی یا وحی الہٰی تھا اور کاغذ دوات نہ لانے والا خواہ مخواہ ہی مجرم ہوتا۔ تو اس جرم کے مرتکب حضرت عمر کے بجائے اہلبیت کو ہونا لازم آتا ہے۔ اس لئے کہ وہ ہر وقت گھر میں رہتے تھے کہ حضرت علیؓ کہ جن کا گھر باقی صحابہ کی نسبت قریب تھا اور اگر وہ مجرم نہیں تو عمرؓ بھی مجرم نہیں لہذا شیعوں کا یہ کہنا کہ حضرت عمرؓ سے کاغذ اور دوات حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے طلب فرمائی باطل ہوا۔

(سوال) حضرت عمرؓ نے العیاذ باللہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف ہذیان کی نسبت ہذیان

(جواب) یہ بھی جھوٹ اور افترا ہے۔ بلکہ بخاری شریف ج ۱ ص ۴۴۹ پر یوں موجود ہے فقالوا ما لہ اھجر استفھموہ یعنی حاضرین نے کہا کہ حضور کا کیا حال ہے کیا آپ دنیا سے ہجرت فرمانے لگے ہیں آپ سے

سے دریافت تو کر لو۔ اور عبارت میں قالوا بصیغہ جمع مذکر غائب موجود ہے لہٰذا پہلی جہالت تو شیعوں کی یہ ہوئی کہ صیغہ جمع سے ایک شخص واحد حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو مراد لے لیا۔ دوسری جہالت یہ کہ ہجران کا معنی برخلاف عربیت بلکہ برخلاف سیاق وسباق ہذیان لکھ مارا حالانکہ ہجر معنی ہذیان کیا جائے تو آگے استفہموہ کا کوئی مطلب نہیں ہو سکتا کیونکہ شیعوں کے ماسوی کوئی عقلمند بھی نہیں ملے گا کہ پہلے کسی کو مخبوط الحواس اور مجنون سمجھ لے اور پھر اس سے اس کے ہذیان کا مطلب پوچھنے لگے۔ بہرحال صیغہ استفہموہ نے بتادیا کہ اہجر کے معنی و نیا سے جدا ہونے کا ہی ہے نہ کچھ اور۔

(۲)، اگر ہجر بمعنی ہذیان بھی تسلیم کر لیا جائے تو بھی مفید نہیں کیونکہ اہجر میں ہمزہ استفہام انکاری موجود ہے کہ جس سے نفی ہذیان مفہوم ہو رہی ہے معنی یہ ہو گا کہ کیا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کوئی ہذیان فرما رہے ہیں۔ نہیں ہرگز نہیں بلکہ ہوش سے فرما رہے ہیں ذرا دریافت تو کر لو بہر کیف حضرت عمر تو ویسے ہی اس مقولہ کے قائل نہ تھے باقی رہے قائلین تو چونکہ ہجر بمعنی ہذیان ثابت نہیں ہوا اگر ہوا تو بوجہ ہمزہ استفہام منفی ہو گیا۔ لہٰذا وہ بھی اس سے بری ہو گئے۔ اگر سوال یہی بات ہے تو پھر حضرت عمر نے حسبنا کتاب اللہ کیوں کہا۔

جواب۔ اول تو اکثر روایات میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا یہ مقولہ ہی نہیں شمار ہوا۔

(۲)، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جب یہ خیال فرمایا کہ اللہ کا دین اور قرآن مکمل ہو چکا ہے کہ جس پر الیوم اکملت لکم دینکم شاہد ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ حکم بطور وحی الٰہی اور وجوب نہیں بلکہ بطور مشورہ ہے تو آپ نے بطور معاملہ الحال اور مشورہ عرض

عرض کر دیا کہ یا رسول اللہ آپ تحریر قرطاس کی تکلیف نہ فرمائیں ہم کتاب اللہ کو ہمارے لئے کافی سمجھیں جس پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمرؓ سے موافقت ظاہر فرمائی اور تحریر قرطاس پر زور دینے والوں کو ڈانٹ دیا چنانچہ بخاری شریف ج ۱ ص ۴۲۹ پر ہے ذرونی الذی انا فیہ خیر مما تدعونی الی تحریر القرطاس اور اگر قرآن کو کامل مکمل کتاب جاننا ہی جرم ہے تو اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد گرامی کا کیا مطلب ہوگا۔ واعتصموا بحبل اللہ جمیعاً نیز حضرت علیؓ نے فرمایا نہج البلاغۃ مصری ج ۲ ص ۸۶ پر ہے واللہ واللہ فی القرآن نیز کتاب مذکور ج ۲ ص ۳ پر ہے فاوصیک بالاعتصام بحبلہ اور ج ۳ ص ۴۲ پر ہے ومن اتخذ قول اللہ دلیلا ھدی دیکھیے حضرت علیؓ نے بھی ہدایت کیلئے قرآن کو کافی قرار دیا۔ لہٰذا ان کے قول سے اگر انکار بالسنۃ لازم نہیں آئیگا۔ تو حضرت عمر کے حق میں کیونکر مفہوم مخالف لیا جاسکے گا۔ اگر بربنائے نیک نیتی وبربنائے مصلحت مشورہ دینا رسول اللہ کی نافرمانی ہے تو حضرت علیؓ حسب روایت مذہب شیعہ یقیناً منکر رسول ہیں۔ چنانچہ جنگ حدیبیہ کے موقع پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا امح یا علیؓ اے علی مٹائیے مگر حضرت علی نے پیغمبر علیہ السلام کو صاف جواب دیا کہ میں اسے ہرگز نہیں مٹاؤنگا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ہاتھ مبارک سے اسے مٹایا اگر اس واقعہ میں حضرت علیؓ کو نافرمان نہیں کہا جاسکتا تو حضرت عمرؓ کو بھی نہ کہا جائے کیونکہ بربنائے مصلحت وحکمت حضرت علیؓ نے حکم نبوی کی خلاف ورزی کی ہے تو حضرت عمرؓ کو بھی کہا جاسکتا ہے لیکن ہم کہتے ہیں نہ حضرت علیؓ نے خلاف ورزی کی ہے نہ حضرت عمرؓ نے بلکہ وہی ہوا جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم چاہتے تھے مزید تفصیل فقیر کی کتاب القسطاس فی مید انقرطاس میں ہے

فضائل عمر از لسانِ حیدر رضی اللہ عنہ

تتمہ: شیعہ صاحبان خوامخواہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی مخالفت کرتے ہیں
ان کی کتابوں میں سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے جو کچھ فرمایا وہ بھی ملاحظہ ہو
جب خلیفہ ثانی عمر رضی اللہ عنہ نے روم پر چڑھائی کی اور حضرت علی رضی اللہ عنہ
سے مشورہ لیا تو آپ نے فرمایا کہ نواحی اسلام کو غلبۂ دین سے بچانے اور مسلمانوں کی
شرم رکھنے کا اللہ ہی کفیل ہے وہ ایسا خدا ہے جس نے انہیں اسوقت فتح دی
جب انکی تعداد نہایت قلیل تھی اور کسیطرح فتح نہیں پا سکتے تھے انہیں اسوقت
مغلوب ہونے سے روکا جب یہ کسیطرح روکے نہیں جا سکتے اور وہ خداوند عالم ہی لا
یموت ہے اب اگر تو خود دشمن کی طرف کوچ کرے اور تکلیف اٹھائے تو پھر
یہ سمجھ لے کہ مسلمانوں کو انکے اقصائے بلاد تک پناہ نہ ملے گی اور تیرے بعد کوئی
ایسا مرجع نہ ہوگا جسکی طرف وہ رجوع کریں لہٰذا تو دشمن کی طرح اس شخص کو بھیج جو
کارآزمودہ ہو اسکے ماتحت ان لوگوں کو روانہ کرو جو جنگ کی سختیوں کے متحمل
ہوں اور اپنے سردار کی نصیحت کو قبول کریں اب اگر خدا غلبہ نصیب کریگا تب تو وہ چیز
ہے جسے تو درست رکھتا ہے اور اگر اس کے خلاف ظہور میں آیا تو ان لوگوں کا مددگار اور
مسلمانوں کا مرجع تو موجود ہے (نیرنگ فصاحت ص ۱۹)

ہم نے جناب امیر علیہ السلام کے عربی کلام کا ترجمہ شیعہ کی کتب نیرنگ فصاحت

سے لیا ہے تاکہ اکو یہ عذر نہ ہو کہ ترجمہ میں دست اندازی کی گئی ہے حضرت علی المرتضیٰؓ کے اس کلام سے حسب ذیل امور ثابت ہوتے ہیں۔ (۱) حضرت عمرؓ کو حضرت علی المرتضیٰؓ پر پورا اعتماد تھا۔ ہر معاملہ میں ان سے مشورہ لیا جاتا اور نہ یہ مسلم ہے کہ کوئی شخص اپنے دشمن سے اسطرح کا مشورہ ہرگز نہیں لیا کرتا۔ (۲) حضرت علی المرتضیٰؓ حضرت عمرؓ کو مسلمانوں کا ملجا وماوا سمجھتے تھے اسی وجہ سے آپ نے حضرت عمر کو یہ مشورہ نہ دیا کہ اس مہم میں بذاتِ خود معرکہ کارزار میں جائیں۔ اگر خدانخواستہ باہمی کدورت ہوتی تو یہ مشورہ نہ دیتے کہ آپ لڑائی میں نہ جائیں۔ بلکہ ان کو تو یہ خواہش چاہیئے تھی کہ یہ خود وہاں جائیں انکا کام تمام ہو اور آپ کے لئے جگہ خالی ہو اس بات سے ظاہر ہوا کہ حضرت علی المرتضیٰ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے صادق الوداد دوست تھے۔ (۳) حضرت علی المرتضیٰ حضرت عمرؓ کی کامیابی کو کامیابیٔ اسلام تصور کرتے تھے اس لیئے ان کو تسلی دی کہ ایزد متعالی تمہارا اور مسلمانوں کا خود حامی و ناصر ہے جب مسلمان تھوڑے تھے اسوقت بھی ان کی حفاظت فرمائی اور اب تو بفضلِ خدا مسلمانوں کی تعداد کثیر ہے پھر اسکی تائید و نصرت پر کیوں نہ بھروسہ کیا جائے ہر جناب امیر علیہ السلام کے کلام سے یار لوگوں کی اس گھڑت کی بھی تردید ہوتی ہے کہ مسلمان بعد وفاتِ رسول صلے اللہ علیہ وسلم صرف تین چار ہی رہ گئے تھے۔ ایسا ہوتا تو آپ یوں فرماتے پہلے مسلمانوں کی تعداد کثیر تھی اب گنتی کے چند آدمی رہ گئے ہیں ان کو اس مہم پر بھیجو تو فتح ہوگی ورنہ شکست

تمت بالخیر